© rasailojaraid.com

اسلامی ضابطۂ میراث واستحقاقِ میراث

اور تقسیمِ میراث میں کوتاہی: ایک عظیم گناہ

پروفیسر حافظ قاسم رضوان ☆

جب کسی شخص کا انتقال ہوجائے تو شریعت اسلامی کا حکم ہے کہ انتقال کے فوراً بعد اس کے مال میں سے چار حقوق ادا کیے جائیں:

(۱) متوفی کے کفن دفن کے متوسط اخراجات نکالے جائیں۔ اگر کوئی دوسرا شخص اپنی طرف سے اس کا انتظام کر دے تو پھر متوفی کے ترکہ سے یہ رقم نہ لی جائے۔

(۲) مرنے والے کے ذمہ اگر کسی کا کوئی قرض واجب الادا ہو تو اس کو پہلے ادا کیا جائے‘ خواہ قرضوں کی ادائی میں سارا مال خرچ ہوجائے۔ اسی طرح اگر مرحوم نے اپنی بیوی کا مہر ادا نہ کیا ہو اور بیوی نے خوش دلی سے معاف بھی نہ کیا ہو‘ تو یہ بھی قرض ہے‘ جسے ادا کرنا لازم ہے۔ خیال رہے کہ بیوی کو یہ مہر اس کے حصہ میراث کے علاوہ ملے گا اور اس کا حصہ میراث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۳) تیسرا حق وصیت کا ہے‘ یعنی ادائیگی قرض کے بعد دیکھا جائے گا کہ متوفی نے کوئی جائز وصیت کی ہے یا نہیں۔ اگر کوئی جائز وصیت کی ہو تو باقی مال و جائیداد کے ایک تہائی (۱/۳) کی حد تک ان وصیتوں کو پورا کیا جائے گا۔ اگر وصیت تہائی مال سے زیادہ کی ہو تو حدیث کی رو سے ایک تہائی کی حد تک وصیت پوری کرنا ورثاء پر لازم ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا: مجھے بیماری لاحق ہوگئی ہے اور میں مالدار ہوں اور میرا وارث سوائے میری بیٹی کے اور کوئی نہیں‘ کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ نہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’نہیں‘‘۔ میں نے عرض کیا کہ نصف؟ آپؐ نے فرمایا: ’’نہیں‘‘۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ، اِنَّكَ اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ)) (۱)

’’تہائی (مال صدقہ کر سکتے ہو) اور تہائی بھی بہت ہے۔ تو اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑے اس سے بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑے کہ لوگوں سے سوال کرتے پھریں۔‘‘

☆ ریٹائرڈ صدر شعبہ اسلامیات و مطالعہ پاکستان‘ گورنمنٹ کالج آف کامرس‘ علامہ اقبال ٹاؤن‘ لاہور

rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

البتہ انتقال کرنے والے کی ناجائز وصیتوں کو پورا کرنا جائز نہیں۔

(۴) مندرجہ بالا ساری ترتیب کے بعد جو مال باقی بچے‘ اس کو شریعت کے بتائے ہوئے اصولوں اور حصوں کے مطابق ورثاء میں تقسیم کرنا لازم ہے۔

اسلامی ضابطۂ میراث (اصولِ وراثت)

قبل از اسلام عرب اور عجم کی قوموں میں انسان کی صنف ضعیف یعنی یتیم بچے اور صنف نازک یعنی عورتیں ہمیشہ ہی طرح طرح کے ظلم وستم کا شکار رہے ہیں۔ اوّل تو ان کا کوئی حق ہی تسلیم شدہ نہ تھا اور اگر کہیں کوئی حق مان بھی لیا گیا تو مَردوں سے اس کا وصول کرنا اور اسے محفوظ رکھنا ان کے قبضہ قدرت میں نہ تھا۔ اسلام نے پہلے تو ان کو حقوق دلائے اور پھر ان حقوق کی حفاظت کا بھی مکمل انتظام کیا۔ اسی ضمن میں قانون وراثت میں بھی اقوامِ عالَم نے معاشرے کے ان دونوں کمزور اجزاء کو ان کے فطری اور واجبی حقوق سے مکمل طور پر محروم کیا ہوا تھا۔

عرب میں تو یہ اصول ہی بنا لیا گیا تھا کہ وراثت کا مستحق صرف وہ ہے جو گھوڑے پر سوار ہو اور دشمنوں کا مقابلہ کر کے ان سے مالِ غنیمت جمع کرے۔ (رُوح المعانی‘ ج۴‘ ص۲۱) اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں صنف یعنی بچے اور عورتیں اس اصول پر پوری نہیں اتر سکتیں‘ اس لیے ان کے اصولِ وراثت کی رو سے صرف جوان بالغ لڑکا ہی وارث ہو سکتا تھا۔ لڑکی خواہ بالغ ہو یا نابالغ‘ مطلقاً وارث نہ سمجھی جاتی‘ اور لڑکا بھی اگر نابالغ ہوتا تو وہ بھی وراثت کا حق دار نہ ٹھہرتا۔ ہندومت میں بھی عورت کا وراثت (ترکہ) میں کوئی حصہ نہ تھا۔

حضور اکرم ﷺ کی حیات میں حضرت اوس بن ثابت ؓ کا انتقال ہوا اور انہوں نے دو لڑکیاں‘ ایک نابالغ لڑکا اور ایک بیوہ وارث چھوڑے۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق ان کے دو چچازاد بھائیوں نے آ کر مرحوم کے پورے مال پر قبضہ کر لیا اور ان کی اولاد اور بیوہ میں سے کسی کو کچھ بھی نہ دیا۔ گویا پورے مال کے وارث حضرت اوسؓ کے دو چچازاد بھائی بن گئے۔ مرحوم کی بیوہ نے یہ بھی چاہا کہ یہ چچازاد بھائی ان کی دونوں لڑکیوں سے شادی بھی کر لیں تاکہ ان کی فکر سے فراغت ہو‘ مگر انہوں نے یہ بھی قبول نہ کیا۔ اس پر حضرت اوسؓ کی بیوہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر عرضِ حال کیا‘ اپنی اور بچوں کی بے کسی اور محرومی کی شکایت کی۔ اُس وقت تک چونکہ قرآن پاک میں آیاتِ میراث نازل نہ ہوئی تھیں‘ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے توقف فرمایا۔ آپ ﷺ کو اطمینان تھا کہ وحی الٰہی کے ذریعے اس ظالمانہ رواج اور قانون کو ضرور بدلا جائے گا۔ چنانچہ یہ ابتدائی آیتِ میراث نازل ہوئی: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝﴾ (النساء) ’’مَردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قرابت والے‘ اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قرابت والے‘ تھوڑا ہو یا بہت ہو۔ (یہ) حصہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا ہے‘‘۔ اس کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری آیاتِ میراث نازل ہوئیں جن میں حصوں کی تفصیلات ہیں۔ سورۃ النساء کا دوسرا رکوع انہی تفصیلات پر مشتمل ہے (جو اس مضمون کے احاطہ سے باہر ہیں۔) احکامِ قرآنی کے مطابق حضور کریم ﷺ نے مرحوم کے کل ترکہ کا آٹھواں حصہ بیوی کو دے کر باقی سب مال ان کے لڑکے لڑکیوں میں اس طرح تقسیم کر دیا کہ اس کا آدھا لڑکے کو اور باقی آدھے میں دونوں لڑکیاں برابر کی شریک رہیں۔ چچازاد بھائی بمقابلہ اولاد کے چونکہ اَقْرَب نہ تھے' اس لیے وہ وراثت سے محروم رہے۔(۲)

والدین یا قریبی رشتہ دار جو ترکہ چھوڑ جائیں' اس میں مردوں اور عورتوں دونوں کا حصہ ہے۔ عورتوں کے حصے کے اہتمام کے لیے یہ اندازِ کلام ﴿مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ كَثُرَ﴾ اپنا کر ان کو تنبیہ کر دی گئی جو اس حصے کا لحاظ نہیں رکھتے۔ یہ ﴿مِمَّا تَرَكَ﴾ سے بدل ہے اور اِنْ حرفِ جار کو مکرر ذکر کیا ہے۔ ﴿نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا﴾ یہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور تاکید کا فائدہ دے رہا ہے' جس طرح ربِّ ارض وسما کا یہ فرمان: ﴿فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ ظرف کے فاعل سے حال ہے' کیونکہ معنی یہ ہیں: ان کے لیے حصہ ثابت ہے' اس حال میں کہ یہ قطعی ہے۔ حقیقت میں حال اللہ تعالیٰ کا فرمان مفروضًا ہے' لیکن ظاہر کے اعتبار سے نصیبًا کو حال بنایا اور مفروضًا اس کی صفت ہے اور اسے حال موطئہ (تمہید) کہتے ہیں۔ جو اصل حال ہے' اس سے پہلے یا اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی تقدیر کلام یوں ہوگی: اعنی نصیبا مقطوعًا' گویا ان پر واجب ہے' اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی اجازت نہیں۔ اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ اگر وارث اپنے حصے سے اعراض (انکار) یا براءت کا اظہار کرے تو اس کا حق ساقط (ختم) نہیں ہو جاتا۔ آیت میں والدین کا ذکر جبکہ وہ اقربین میں بھی شامل ہیں' ایک تو عظمت شان کے لیے ہے اور دوسرے اس لیے کہ آیت کا سببِ نزول والد کی میراث (ترکہ) ہے۔(۳)

استحقاقِ میراث کا ضابطہ

اسلام نے تقسیم وراثت میں فطری قواعد اور قرابت کے قُرب و بُعد کا لحاظ رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی نظریے کے مطابق ایک خاندان اور برادری کے افراد میں تکافل کی ذمہ داری پائی جاتی ہے' اور یہیں سے کفالت پھیل کر عام انسانی کفالت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مشہور قاعدہ ہے: اَلْغُنْمُ بِالْغُرْمِ کہ منافع ذمہ داری کے لحاظ سے ہے۔ چونکہ قرابت دار حاجت کے وقت باہمی کفالت اور ذمہ داری کے مکلّف ٹھہرائے گئے ہیں اور قتل وجرح کے معاملات میں ضامن بنائے گئے ہیں' اس لیے عدل وانصاف کا تقاضا یہی ہے کہ وہ باہم وارث بھی ہوں' اور وراثت کا حصہ تضامن وتکافل کے پیش نظر کم وبیش ہوتا رہے۔ اسلامی اصولِ وراثت میں یہی قاعدہ وقانون کارفرما ہے۔

مندرجہ بالا آیت (النساء: ۷) نے وراثت کے چند احکام کے ضمن میں قانونِ وراثت کا ضابطہ واضح کر دیا ہے۔ ﴿مِمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ﴾ کے دو لفظوں نے وراثت کے دو بنیادی اصول بتلا دیے۔ ایک رشتہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولایت‘ جو اولاد اور ماں باپ کے درمیان ہے اور جس کو لفظ وَالِدَانِ سے بیان کیا گیا ہے‘ دوسرے عام رشتہ دار جو لفظ اَقْرَبُوْنَ کا مفہوم ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ’اَقْرَبُوْنَ‘ کا لفظ ہر قسم کی قرابت اور رشتہ داری کو حاوی ہے‘ خواہ وہ رشتہ باہمی ولادت کا ہو‘ جیسے اولاد اور ماں باپ میں‘ یا دوسری طرح کا ہو‘ جیسے عام خاندانی رشتوں میں‘ یا وہ رشتے جوازدواجی تعلق سے بنے ہوں‘ لفظ اقربون ان سب پر حاوی ہے۔ والدین کو ان کی اہمیت اور مقام کی وجہ سے بطور خاص جدا کر دیا گیا۔ پھر اس لفظ نے یہ بھی بتلا دیا کہ مطلق رشتہ داری وراثت کے لیے کافی نہیں ہے‘ بلکہ اس میں اَقرب ہونا شرط ہے۔ اگر اَقرب کو معیارِ شرط نہ بنایا جائے تو ہر مرنے والے کی وراثت پوری دنیا کی تمام انسانی آبادی پر تقسیم ہونا ضروری ہو جائے گا‘ کیونکہ سب ایک ماں باپ حضرت آدم اور حواء کی اولاد ہیں۔ گویا دورِ قریب کا کچھ نہ کچھ رشتہ ان سب میں موجود ہے۔ اب بظاہر یہ کام امکان سے باہر ہے‘ اس لیے ضروری ہوا کہ جب وراثت کا مدار رشتہ داری پر ہو تو اصول یہ بنایا جائے کہ اگر نزدیک و دُور کے مختلف رشتہ دار جمع ہوں تو قریبی رشتہ دار کو بعید پر ترجیح دے کر اَقرب (زیادہ نزدیک) کے ہوتے ہوئے اَبعد (زیادہ دور) کو حصہ نہ دیا جائے۔ البتہ اگر کچھ رشتہ دار ایسے ہوں جو بیک وقت سب کے سب اَقرب قرار دیے جائیں‘ اگرچہ وجوہ اقربیت ان میں مختلف ہوں‘ تو پھر یہ سب مستحق وراثت ہوں گے‘ جیسے اولاد کے ساتھ ماں باپ یا بیوی وغیرہ۔

ایک اور بات اس لفظ اَقْرَبُوْنَ نے یہ بھی بتلائی کہ جس طرح مردوں کو مستحق وراثت سمجھا جاتا ہے‘ اسی طرح عورتوں اور بچوں کو بھی کسی طور سے اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ رشتہ اولاد کا ہو یا ماں باپ کا‘ یا دوسری قسم کے رشتے ہوں‘ ہر ایک میں رشتہ داری کی حیثیت لڑکے اور لڑکی میں یکساں ہے۔ جس طرح لڑکے کی پیدائش ماں باپ سے ہوتی ہے‘ اسی طرح لڑکی بھی انہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اب حق وراثت کا معیار جب رشتہ پر ہوا‘ تو چھوٹے بچے یا لڑکی کو محروم رکھنا کسی طور سے بھی روا نہیں ہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید کے اسلوب کو دیکھئے کہ ’لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ‘ کو جمع کر کے مختصر لفظوں میں ان کا حق بیان کیا جا سکتا تھا‘ اس انداز کو اختیار نہیں کیا گیا‘ بلکہ مَردوں کے حق کو جس تفصیل سے بیان کیا گیا ہے‘ اسی توضیح وتشریح کے ساتھ عورتوں کا حق جداگانہ بیان فرمایا گیا ہے‘ تاکہ دونوں کے حقوق کا مستقل اور اہم ہونا بالکل واضح ہو جائے۔

اسی لفظ اَقْرَبُوْنَ سے ایک اور بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ مال وراثت کی تقسیم ضرورت کے معیار سے نہیں‘ بلکہ قرابت کے معیار سے ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ رشتہ داروں میں جو زیادہ غریب اور حاجت مند ہو‘ اُس کو زیادہ حصہ وراثت کا مستحق سمجھا جائے‘ بلکہ اصول یہ ہے کہ جو میت کے ساتھ رشتہ کے لحاظ سے قریب تر ہوگا‘ وہ بنسبت بعید والے کے زیادہ مستحق وراثت ہوگا‘ اگرچہ ضرورت اور حاجت بعید والے کو زیادہ ہو۔ اب اگر اقربیت کے ضابطے کو چھوڑ کر بعض رشتہ داروں کے محتاج یا نافع ہونے کو اصول بنا لیا جائے‘ تو نہ اس کا کوئی معیار بن سکتا ہے اور نہ ہی یہ ایک طے شدہ مستحکم قانون کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ اقربیت کے علاوہ کوئی دوسری میزان اور معیار لامحالہ وقتی اور اجتہادی ہوگا۔ فقر و حاجت کوئی دائمی حالت نہیں‘ انسانوں کے حالات بھی بدلتے رہتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ان کے درجات بھی۔ ایسی صورت میں استحقاق کے بہت سے دعوے داروں میں فیصلہ کرنا ایک مشکل مرحلہ ہی رہے گا۔

اس قرآنی اصول کو اگر سمجھ لیا جائے تو یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ‘ جسے بلاوجہ آج کل ایک نزاع کی شکل دے دی گئی ہے‘ خود بخود ایک قطعی فیصلہ کے ساتھ حل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یتیم پوتا بنسبت دوسرے ورثاء کے‘ زیادہ ضرورت مند ہو‘ لیکن اَقْرَبُوْن کے قانون کے تحت وہ مستحق وراثت نہیں ہو سکتا‘ کیونکہ دوسرے بیٹوں یا بیٹے کی موجودگی میں وہ اُقرب کے تحت نہیں آتا!! اس کی ضرورت پوری کرنے اور کفالت کے لیے دوسرے انتظامات کیے گئے ہیں۔ ویسے بھی بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے کو میراث نہیں ملے گی‘ خواہ اس کا باپ حیات ہو یا انتقال کر گیا ہو۔

اسی طرح آیت میں ﴿مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ﴾ فرما کر ایک دوسری جاہلانہ رسم کی اصلاح کی گئی ہے۔ بعض قوموں میں مخصوص اقسامِ مال کو بعض خاص وارثوں کے لیے علیحدہ کر لیا جاتا تھا‘ مثلاً گھوڑا‘ تلوار اور دیگر اسلحہ وغیرہ‘ یہ صرف نوجوان مردوں کا حق تھا اور دیگر وارثوں کو اس سے محروم رکھا جاتا۔ قرآن شریف کے اس حکم نے واضح کر دیا کہ میت کی ملکیت میں جو بھی چیز تھی‘ خواہ بڑی ہو یا چھوٹی اور تھوڑی ہو یا زیادہ‘ ہر ایک میں ہر وارث کا برابر کا حق ہے۔ کسی وارث کو کوئی خاص چیز بغیر تقسیم کے خود رکھ لینا یا کسی دوسرے وارث کو دے دینا قطعاً جائز نہیں۔

آیت کے آخر میں ﴿نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا﴾ فرما کر بتا دیا گیا کہ مختلف وارثوں کے جو اپنے اپنے حصے قرآن پاک نے مقرر فرمائے ہیں‘ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حصے ہیں۔ اس میں کسی کو بھی اپنی رائے اور قیاس سے کمی بیشی یا تغیر و تبدل کرنے کا کسی صورت میں بھی کوئی حق نہیں۔ اسی لفظ مَفْرُوْضًا سے ایک اور مسئلہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وراثت کے ذریعے جو ملکیت وارثوں کی طرف منتقل ہوتی ہے‘ وہ ملکیت جبری ہے۔ اس میں نہ وارث کا قبول کرنا شرط ہے‘ نہ اس کا اس پر راضی ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ زبان سے بصراحت یہ بھی کہہ دے کہ میں اپنا حصہ نہیں لیتا‘ تب بھی وہ شرعاً اپنے حصے کا مالک ہو چکا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ مالک بن کر شرعی اصول کے مطابق کسی دوسرے کو اپنا حصہ ہبہ کر دے یا اسے بیچ ڈالے یا پھر دوسروں میں تقسیم کر دے۔ (۴)

اس آیت قرآنی میں واضح طور پر پانچ حکم دیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ میراث صرف مردوں کا ہی حصہ نہیں ہے‘ بلکہ عورتیں بھی اس کی حق دار ہیں۔ دوسرے یہ کہ میراث بہر حال تقسیم ہونی چاہیے خواہ وہ کتنی ہی کم ہو‘ حتیٰ کہ اگر مرنے والے نے ایک گز کپڑا چھوڑا ہے اور دس وارث ہیں‘ تو اسے بھی دس حصوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔ یہ اور بات ہے کہ ایک وارث دوسرے وارثوں سے ان کا حصہ خرید لے۔ تیسرا یہ کہ اس آیت سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ وراثت کا قانون ہر قسم کے اَموال و اَملاک پر جاری ہوگا‘ خواہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ‘ زرعی ہو یا صنعتی‘ یا کسی اور صنف مال میں شمار ہوتے ہوں۔ چوتھا یہ کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حق میراث اس وقت پیدا ہوتا ہے (شروع ہوتا ہے) جب مورث کوئی مال چھوڑ کر مرا ہو۔ پانچواں یہ کہ اس سے یہ قاعدہ بھی نکلتا ہے کہ قریب تر رشتہ دار کی موجودگی میں بعید تر رشتہ دار میراث کا حق دار نہ ہوگا۔ (۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میراث سے محروم رہنے والوں کی دلجوئی کا حکم

اب میت کے رشتہ داروں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو ضابطہ شرعی کے تحت میراث سے حصہ نہیں مل سکتا، لیکن ظاہر ہے کہ علم الفرائض (علم میراث) کی تفصیلات کا ہر کسی کو علم نہیں ہوتا' اس لیے عموماً ہر رشتہ دار خواہش مند ہوتا ہے (اور ان میں کچھ واقعی مستحق اور یتیم بھی ہو سکتے ہیں) کہ اس کو بھی میراث سے حصہ ملے۔ وہ رشتہ دار جو شرعی ضابطہ میراث کے تحت محروم قرار دیے گئے ہیں' تقسیم میراث کے وقت' خصوصاً جبکہ وہ موقع پر موجود بھی ہوں' ان کا دل رنجیدہ اور افسردہ ہو سکتا ہے۔ اب قرآنی نظام کی خوش اسلوبی دیکھئے کہ ایک طرف تو خود قرآن کا بتایا ہوا عادلانہ ضابطہ ہے کہ اَقرب کے مقابلے میں اَبعد محروم رہے گا' دوسری طرف محروم ہونے والے اَبعد کی دل شکنی بھی گوارا نہیں ہوتی۔ اگلی آیت میں اسی حوالے سے ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ⑧﴾ (النساء)

''اور جب حاضر ہوں تقسیم (میراث) کے وقت (محروم وراثت) رشتہ دار' یتیم اور محتاج' تو ان کو بھی اس مال میں سے کچھ دے دو اور کہو ان سے اچھی (معقول) بات۔''

یعنی جو دُور کے رشتہ دار اور یتیم' مسکین میراث میں حصہ پانے سے محروم ہو رہے ہوں' تو میراث پانے والوں کا اخلاقی فرض ہے کہ اس مال میں سے باختیارِ خود کچھ حصہ ان کو بھی دے دیں۔ یہ دینے والوں کے لیے ایک قسم کا صدقہ اور موجب ثواب ہے' لہٰذا اس میں کسی قسم کی تنگ دلی محسوس نہ کریں۔

اس حقیقت کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور سفارش بھی ہے' ٹالنے والے کو نتیجہ بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ ایسے وقت میں جبکہ مال و دولت بغیر سعی و عمل کے محض حکمِ خداوندی سے شرعی ورثاء کو مل رہا ہو' تو انفاق فی سبیل اللہ کا داعیہ اور وسعت بھی دل میں پیدا ہونی چاہیے۔ اسی کی ایک نظیر اس آیت میں بھی ہے:

﴿كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ (الانعام:۱۴۲)

''اپنے باغ کا پھل کھاؤ جبکہ وہ پھل دینے لگے' اور جس روز پھل کاٹو (توڑو) تو اس کا حق (نکال کر فقراء و مساکین کو دے) دو۔''

اسی ضمن میں متوفی کا محروم الارث پوتا یا پوتی بھی آ جاتی ہے۔ اس کے چچاؤں اور پھوپھیوں کا کفالت کے حوالے سے اخلاقی فرض بنتا ہے کہ اس کو اپنے حصے میں سے بخوشی کچھ دے دیں اور اس کا دل ہرگز نہ توڑیں۔

اب اگر یہ (جمع ہونے والے) لوگ تھوڑے مال پر راضی نہ ہوں اور برابر حصے کا مطالبہ کرنے لگیں' تو معقول طور پر ان کو دلنشین طریقے سے سمجھا دیا جائے کہ شرعی لحاظ سے تمہارا باقاعدہ حصہ نہیں بنتا اور ہم نے اخلاقاً تمہیں کچھ دیا ہے۔ اس موقع پر کوئی ایسی بات انہیں بالکل نہ کہی جائے جو ناگواری اور دل شکنی کا باعث بنے۔ یہاں ایک ضابطہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ شرعاً دیا جانے والا مال حاضر بالغ ورثاء ہی اپنے حصے سے دے سکتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں، نابالغ اور غائب کے حصے سے کچھ دینا درست نہیں ہے۔[۶]

قِسْمَةَ سے مراد میراث کی تقسیم ہے، یعنی تقسیم کے وقت ان کے قریبی وارث رشتہ داروں کے علاوہ دور کے دوسرے رشتہ دار آجائیں تو ترکہ یا میراث میں سے بطور صدقہ انہیں کچھ دے دو۔ حضرت حسن بصریؒ نے کہا کہ وہ اس (میت) کا تابوت، برتن، بوسیدہ کپڑے، استعمال کا سامان اور وہ چیز جس کی تقسیم سے وہ حیا محسوس کرتے، وہ ان (رشتہ داروں) کو دے دیتے۔ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا کہ یہ آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ کی آیت سے منسوخ ہے۔ ایسا کہنے کی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آتی۔ البتہ ایک اخلاقی فرض اور استحبابی حکم ہونے پر اکثر کا اتفاق ہے۔ حضرات ابن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، شعبی، نخعی، زہری، مجاہد، ابن سیرین اور ایک جماعت نے کہا کہ یہ محکم ہے۔ قتادہ نے یحییٰ بن یعمر سے نقل کیا ہے کہ تین آیتیں محکم ہیں، مدنی ہیں، جنہیں لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے۔ یہ (مذکورہ بالا) آیت، آیت استیذان ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى﴾۔ ایک قول یہ بتایا گیا ہے کہ امر وجوب کے لیے ہے، یہ ایسا حق ہے جو چھوٹے بڑے سب لوگوں کے حق میں واجب ہے۔ اگر وارث بڑے ہوں تو وہ اپنے حصے کے خود والی بنیں گے اور اگر چھوٹے ہوں تو ان کے ولی کو دے دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر وارث بڑے ہوں تو وہ ان لوگوں (دُور کے رشتہ داروں) کو کچھ دیں، جو دیں اسے قلیل جانیں اور ان پر کسی قسم کا احسان نہ جتلائیں۔ اگر وارث چھوٹے ہوں تو ان کا ولی یا وصی معذرت کر دے کہ میں اس مال کا مالک نہیں ہوں، یہ ان چھوٹے بچوں کا ہے، اگر یہ میرا مال ہوتا تو میں تمہیں ضرور کچھ دیتا، جب یہ خود بڑے ہوں گے تو (امید ہے) تمہارے حقوق پہچانیں گے۔ ارشادِ خداوندی: ﴿وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ کا یہی معنی ہے۔[۷]

وہ یتیم پوتے اور نواسے جن کے والدین ان کے دادا یا نانا کی زندگی میں وفات پا جاتے ہیں، ان کے حصے کے حوالے سے ایک لائحہ عمل سید مودودی نے سورۃ البقرۃ کی درج ذیل آیت کی روشنی میں پیش کیا ہے:

﴿كُتِبَ عَلَیْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَیْرَا ۖۚ اۨلْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِیْنَ ۝۱۸۰﴾

”تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آئے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے معروف طریقے سے وصیت کرے، یہ حق ہے متقی لوگوں پر۔“

یہ حکم اس زمانے میں دیا گیا تھا جبکہ وراثت کی تقسیم کے لیے ابھی کوئی قانون مقرر نہیں ہوا تھا۔ اس وقت ہر شخص پر لازم تھا کہ وہ اپنے وارثوں کے حصے بذریعہ وصیت مقرر کر جائے، تاکہ اس کے مرنے کے بعد نہ تو خاندان میں جھگڑے پیدا ہوں اور نہ کسی حق دار کی حق تلفی ہونے پائے۔ بعد میں جب تقسیم وراثت کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود ایک ضابطہ بنا دیا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احکامِ وصیت اور احکامِ میراث کی توضیح میں حسب ذیل دو قاعدے بیان فرمائے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک یہ کہ اب کوئی شخص کسی وارث کے حق میں وصیت نہیں کر سکتا' یعنی جن رشتہ داروں کے حصے قرآن میں مقرر کر دیے گئے ہیں' ان کے حصوں میں نہ تو وصیت کے ذریعے سے کوئی کمی بیشی کی جاسکتی ہے' نہ کسی وارث کو میراث سے محروم کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی وارث کو اس کے قانونی حصے کے علاوہ کوئی چیز بذریعہ وصیت دی جاسکتی ہے۔

دوسرے یہ کہ وصیت بھی کل جائیداد کے صرف ایک تہائی حصے کی حد تک کی جاسکتی ہے۔

ان دو تشریحی ہدایات کے بعد اب اس آیت کا منشا یہ قرار پاتا ہے کہ آدمی اپنا کم از کم دو تہائی مال تو اس لیے چھوڑ دے کہ اس کے مرنے کے بعد وہ حسب قاعدہ اس کے وارثوں میں تقسیم ہو جائے اور زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مال کی حد تک اسے اپنے اُن غیر وارث رشتہ داروں کے حق میں وصیت کرنی چاہیے جو اس کے اپنے گھر میں یا اس کے خاندان میں مدد کے مستحق ہوں' یا جنہیں وہ خاندان کے باہر محتاجِ اعانت پاتا ہو' یا رفاہِ عام کے کاموں میں سے جس کی بھی وہ مدد کرنا چاہے۔ بعد کے لوگوں نے وصیت کے اس حکم کو محض ایک سفارشی حکم قرار دے دیا' یہاں تک کہ بالعموم وصیت کا طریقہ منسوخ ہی ہو کر رہ گیا۔ لیکن قرآن مجید میں اسے ایک حق قرار دیا گیا ہے' جو خدا کی طرف سے متقی لوگوں پر عائد ہوتا ہے۔ اگر اس حق کو ادا کرنا شروع کر دیا جائے' تو بہت سے وہ سوالات خود ہی حل ہو جائیں' جو میراث کے بارے میں لوگوں کو الجھن میں ڈالتے ہیں۔ مثلاً ان پوتوں اور نواسوں کا معاملہ جن کے ماں باپ نانا کی زندگی میں مرجاتے ہیں۔ (۸)

یہاں خیال رہے کہ ایک تہائی کی حد زیادہ سے زیادہ کے لیے ہے' وصیت اس سے کم میں بھی کی جاسکتی ہے۔ موجودہ حالات و واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے محروم الارث پوتے کے حصے کو اس طریقے سے محفوظ کرنے کے لیے اسلامی دائرے کے اندر توسع کے اصول کو لاگو کر کے ضروری قانون سازی بھی کی جانی چاہیے۔

اولاد کو تونگر چھوڑنا' فقیر چھوڑنے سے بہتر ہے

اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ⑨﴾

''(اور سوچیں کہ) اگر چھوڑ جاتے وہ اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے کمزور بچے' تو وہ (خود) کتنے فکر مند ہوتے ان کے متعلق' پس چاہیے کہ وہ ڈریں اللہ سے اور کہیں ایسی بات جو بالکل درست ہو۔''

اس میں تمام مسلمانوں کو خطاب عام ہے کہ اس بات کا پورا پورا اہتمام کریں کہ مرنے والے کا ترکہ اس کی اولاد کو پورا پورا پہنچ جائے اور ہر ایسے طریقے اور حیلے سے پرہیز کریں جس سے اولاد کے حصے پر کوئی غلط اور ناگوار اثر پڑتا ہو۔ اس کے عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ آپ کسی مسلمان کو کوئی ایسی وصیت یا تصرف کرتے ہوئے دیکھیں جس سے اس کی اولاد اور دوسرے وارثوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے' تو آپ پر لازم ہے کہ اس شخص کو ایسی وصیت یا تصرف سے روکیں۔ صحیحین میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیماری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دوران ان کی عیادت کو گئے۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا کہ میرے پاس مال بہت ہے اور صرف میری ایک لڑکی ہی پیچھے ہے' اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنا دو تہائی مال خدا کی راہ میں صدقہ کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا: ''نہیں''۔ میں نے عرض کیا کہ نصف؟ آپؐ نے فرمایا: 'نہیں''۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تہائی (مال صدقہ کر سکتے ہو) لیکن ہے یہ بھی زیادہ۔ تو اگر اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو تونگر چھوڑ کر جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں فقیر چھوڑ کر جائے کہ وہ (دوسروں کے سامنے) ہاتھ پھیلاتے پھریں''۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ لوگ ایک تہائی سے بھی کم یعنی چوتھائی کی وصیت کریں تو اچھا ہے' اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہائی کو بھی زیادہ فرمایا ہے۔ پورا یا آدھا مال صدقہ کر دیا جائے تو وارثوں کا حصہ ختم یا بالکل کم ہو جاتا ہے۔

اس آیت کے عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ یتیم بچوں کے اولیاء (سرپرست) ان کے مال کی حفاظت اور پھر بالغ ہونے کے بعد ان کو پورا پورا مال دینے کا بڑا اہتمام کریں اور اس میں ادنیٰ سی کوتاہی بھی روا نہ رکھی جائے۔ دوسروں کے یتیم بچوں کے حالات کو اپنے بچوں اور اپنی محبت کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھیں۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بعد ان کی اولاد سے لوگ اچھا معاملہ اور برتاؤ کریں اور انہیں پریشانی نہ ہو' کوئی ان پر کسی قسم کا بھی ظلم نہ کرے' تو پھر ان سرپرستوں کو بھی چاہیے کہ وہ دوسرے کی اولادِ یتامیٰ کے ساتھ بھی بالکل اسی قسم کا معاملہ کریں اور ہر قسم کی زیادتی سے بچیں۔(۹)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ قوی وارث عورتوں اور کمزوروں کا حصہ دیں اور غیر وارثوں جیسے محتاج' فقراء اور مساکین کو کچھ صدقہ کر دیں اور ان ضعفاء کے ضائع ہونے سے ڈریں' جس طرح اگر وہ بھی اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ جاتے تو اس کے ضائع ہونے کا انہیں خوف ہوتا۔ انہیں ان بچوں پر اسی طرح شفقت کرنی چاہیے جس طرح وہ اپنی اولادوں پر شفیق ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کمزور وارثوں کو ضائع کرنے میں اللہ سے ڈریں۔ گویا یہاں لفظ اللہ میں تنازع فعلین ہے' ایک فعل لیخش اور دوسرا لیتقوا۔ لفظ اللہ میں اہل بصرہ کے مطابق (یہاں) دوسرا فعل عمل کر رہا ہے اور پہلے فعل کا مفعول حذف ہے۔ اگر پہلا فعل عامل ہوتا تو کلام یوں ہوتا: فَلْيَتَّقُوْهُ کہ انہیں تقویٰ کا حکم دیا جو کہ خشیت کی انتہا ہے' جبکہ پہلے انہیں خشیت کا حکم دیا گیا' مقصود مبدأ اور منتہیٰ کی رعایت ہے۔

آیت میں 'قول سدید' کے ضمن میں وارثوں کے لیے امر (حکم) ہے کہ وہ جو غیر وارث قریبی رشتہ دار' یتیم اور مساکین ترکہ (میراث) کی تقسیم کے وقت حاضر ہو جائیں' ان پر شفقت کریں' یہ تصور کرتے ہوئے کہ اگر یہ ان کی اولاد ہوتی اور ان کے پیچھے (بعد میں) کمزور رہ جاتی' تو کیا انہیں محروم رکھنے کو وہ جائز اور درست سمجھتے؟ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ (حکم) اس آدمی کے بارے میں ہے' جس کے فوت ہونے کا وقت قریب ہو اور اس کے پاس بیٹھنے والے اسے یوں کہیں کہ تیری اولاد اور وارث تیرے کچھ کام نہ آئیں گے' اپنے غلام آزاد کر دے اور فلاں فلاں کو اتنا اتنا دے دے' یہاں تک کہ تمام مال و متاع خرچ کر دے۔ یہاں اس مریض اور قریب الموت کے پاس حاضر لوگوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں یا مرنے والے کی اولاد کے بارے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈریں، وہ اس کی اولاد پر بھی اسی طرح شفقت کریں، جس طرح کہ وہ اپنی اولاد کے بارے میں شفقت کرتے ہیں۔ اس مرنے والے شخص کو اس حال میں نہ چھوڑیں کہ وہ اپنی اولاد کو نقصان پہنچائے اور انہیں وراثت میں کوئی مال نہ دے، یا پھر وصیت کرنے والوں کو حکم ہے کہ وہ کمزور وارثوں کی طرف نظر کریں، جن کے (حقوق) ضائع ہونے کا خوف ہے۔ اسی طرح وہ وصیت میں اسراف سے کام نہ لیں اور ثلث مال سے زیادہ کی وصیت بالکل نہ کریں، تا کہ (ان کے اپنے) وارث محروم نہ رہ جائیں۔ لَوْ کا جواب خَافُوْا ہے۔

قوی وارث کمزور وارثوں سے شفقت اور حسنِ ادب سے بات کریں، یا اولیاء یتیموں پر شفقت کرتے ہوئے اچھی طرح بھلے طریقے سے بات کریں، جس طرح سے وہ اپنی اولادوں سے کرتے ہیں، یا وصیت کے وقت جو لوگ حاضر ہوں، وہ موصی (وصیت کرنے والے) کو اپنے مال کے تیسرے حصے سے کم وصیت کرنے کی بات کہیں۔ تقسیم کے وقت جمع ہونے والے فقراء اور مساکین سے بھی اچھی طرح پیش آئیں، یا وصیت کرنے والا اپنی وصیت میں اچھی بات کرے اور تیسرے حصے سے کم میں وصیت کر دے، اور وصیت میں حسن نیت کی رعایت کرتے ہوئے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا بھی طالب ہو۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کاش! لوگ (وصیت میں) تہائی سے ہٹ کر چوتھائی پر آ جائیں، اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ تہائی (بھی) بہت ہے۔ [۱۰]

یتیم کا مال جہنم کی آگ ہے!

اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿١٠﴾﴾

''بے شک لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کے مال ظلم کرتے ہوئے، وہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ، اور عنقریب جھونکے جائیں گے بھڑکتی (ہوئی) آگ میں۔''

اس آیت مبارکہ میں یتیم کے مال کو جہنم کی آگ قرار دیا گیا ہے۔ یہ یتیم کے مال میں ناجائز تصرف کرنے والوں کے لیے شدید ترین وعید ہے۔ بہت سے مفسّرین نے اسے تشبیہ اور کنایہ پر محمول کیا ہے۔ گویا یتیموں کا مال ناحق کھانے والا ایسا ہے جیسے کوئی اپنے پیٹ میں آگ بھرے، کیونکہ ایسے شخص کا انجام بالآخر قیامت میں ایسا ہی ہونے والا ہے۔ مگر اہلِ تحقیق کا قول ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں کوئی مجاز اور کنایہ نہیں، بلکہ جو یتیم کا مال ناجائز طریقے سے کھایا جائے وہ حقیقت میں آگ ہی ہے، اگرچہ اس وقت اس کی صورت آگ کی نہ معلوم ہوتی ہو، جیسے کوئی شخص دیا سلائی کو کہے کہ یہ آگ ہے یا سنکھیا کو کہے کہ یہ قاتل ہے، اب ظاہر ہے کہ دیا سلائی کو ہاتھ میں لینے سے ہاتھ نہیں جلتا اور سنکھیا کو ہاتھ میں لینے بلکہ منہ میں رکھنے سے بھی کوئی آدمی نہیں مرتا، البتہ ذرا سی رگڑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جس نے دیا سلائی کو آگ کہا' وہ صحیح کہا تھا' اسی طرح حلق سے نیچے اترنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سنکھیا کو قاتل کہنے والا بھی اپنے قول میں سچا تھا۔ قرآن مجید کے عام اطلاقات سے بھی اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے کہ انسان جو بھی عمل نیک یا بد کر رہا ہے' یہی عمل جنت کے درخت اور پھل پھول ہیں یا (پھر) جہنم کے دہکتے ہوئے انگارے ہیں' اگرچہ ان کی صورت یہاں مختلف ہے' مگر قیامت کے روز اپنی اصلی شکلوں میں متشکل ہو کر سامنے آئیں گے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا﴾ (الکھف:۴۹) ''اور قیامت کے روز وہ اپنے کیے ہوئے اعمال کو موجود پائیں گے''۔ یعنی جو ثواب اور عذاب ان کو نظر آئے گا' وہ حقیقت میں ان کا اپنا ہی عمل ہو گا۔ بعض روایات میں ہے کہ یتیم کا مال ناحق کھانے والا قیامت کے روز اس حالت میں اٹھایا جائے گا کہ اس (کے پیٹ) کے اندر سے آگ کی لپٹیں اس کے منہ' ناک' کانوں اور آنکھوں سے نکل رہی ہوں گی۔ صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''سات گناہوں سے بچو' جو ہلاکت کا باعث ہیں''۔ عرض کیا گیا: وہ کون سے ہیں؟ تو حضور ﷺ نے جواب میں ان میں سے ایک ''مال یتیم کا کھا جانا'' بھی بتایا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ صحابہؓ نے حضور ﷺ سے معراج کی رات کا واقعہ پوچھا تو اس میں آپؐ نے (یہ بھی) فرمایا کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ نیچے لٹک رہے ہیں اور فرشتے انہیں گھسیٹ کر ان کا منہ خوب کھول دیتے ہیں' پھر جہنم کے گرم پتھر ان میں ٹھونس دیتے ہیں' جو ان کے پیٹ میں سے پیچھے کے راستے سے نکل جاتے ہیں' اور وہ بری طرح چیخ چلا رہے ہیں اور ہائے وائے مچا رہے ہیں۔ میں نے حضرت جبرائیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یتیموں کا مال کھا جانے والے ہیں' جو اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جہنم میں جائیں گے۔(۱۱)

گویا آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ یتیم کا مال جو ناحق کھایا جائے وہ درحقیقت جہنم کی آگ ہو گی' گو اس وقت اس کا آگ ہونا محسوس نہ ہو۔ اسی لیے حضور پاک ﷺ نے اس معاملے میں شدید احتیاط کی ہدایات دی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحَرِّجُ حَقَّ الضَّعِیْفَیْنِ الْمَرْاَۃِ وَالْیَتِیْمِ))(۱۲) ''اے اللہ! میں دو کمزوروں کا حق (مال) حرام کرتا ہوں: ایک عورت اور دوسرے یتیم''۔

آیت میں لفظ 'یَاْکُلُوْنَ' استعمال ہوا ہے اور یتیم کا مال کھانے پر شدید وعید سنائی گئی ہے' لیکن یتیم کے مال کا ہر طرح سے استعمال' کھانے پینے میں ہو یا (چیز) برتنے میں' سب حرام اور باعث عذاب وعتاب ہے' کیونکہ محاورے میں کسی کا مال ناحق کھا لینا ہر طرح کے استعمال کو شامل ہوتا ہے۔

جب کوئی شخص انتقال کر جاتا ہے تو اس کے مال کے ہر ہر حصے اور ہر چھوٹی بڑی چیز کے ساتھ ہر وارث کا حق جڑ جاتا ہے۔ اس کے نابالغ بچے یتیم ہو جاتے ہیں' ان بچوں کے ساتھ عمومی طور پر ہر گھر میں ظلم وزیادتی والا معاملہ ہوتا ہے۔ ہر وہ شخص جو ان بچوں کے باپ کی وفات کے بعد اس کے مال پر قابض ہوتا ہے' خواہ ان بچوں کا چچا ہو' تایا ہو یا بڑا بھائی ہو یا والدہ ہو یا کوئی اور ولی یا وصی ہو' وہ اکثر ان امور کے مرتکب ہو جاتے ہیں' جن کی

rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ممانعت مندرجہ بالا آیات میں کی گئی ہے۔ اول تو سالہا سال مال میراث کو تقسیم کرتے ہی نہیں۔ بس ان بچوں کے روٹی کپڑے پر تھوڑا بہت خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح بدعات' رسومات اور فضولیات پر اسی مال مشترک سے خرچ کیے جاتے ہیں۔ اپنی ذات پر بھی خرچ کرتے ہیں اور سرکاری کاغذات میں نام بدلوا کر اپنے بچوں کا نام لکھواتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ اللہ کی پکڑ سے وہ کیسے بچ سکیں گے۔

اس ضمن میں یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ مدرسوں اور یتیم خانوں میں جو مال اور چندہ یتیموں کے لیے آتا ہے' اس کو یتیموں پر خرچ نہ کرنا بھی یتیم کا مال ناحق کھانے اور ہضم کرنے کی ایک صورت ہے' ایسی صورت میں یہ وعیدیں اہل مدارس کو بھی ہر دم یاد رہنی چاہئیں۔ (۱۳)

آیت میں ظُلْمًا یا تو مفعولِ مطلق ہے اور تقدیر کلام یوں ہے: اَکْلًا ظُلْمًا یا یہ حال ہے اور تقدیر کلام ہے: ظَالِمِیْنَ' یعنی ایسی چیز کھاتے ہیں جو انہیں دوزخ کی طرف لے جائے گی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے شب معراج میں ایک ایسی قوم دیکھی جن کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے' ان میں سے اوپر والا نتھنوں کے ساتھ سمٹا ہوا تھا اور دوسرا پیٹ پر لٹکا ہوا تھا' اور جہنم کے داروغے جہنم کے انگارے اور پتھر ان کے منہ میں ڈال رہے تھے۔ میں نے پوچھا: جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے کہا: یارسول اللہ! یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلم کرتے ہوئے کھاتے ہیں''۔ (۱۴) اسی طرح حضرت ابوبریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن ایک قوم اپنی قبروں سے اس طرح اٹھائی جائے گی کہ ان کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے''۔ پوچھا گیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا ......الخ﴾'' (۱۵)

جمہور علماء نے یَصْلَوْنَ کو یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے' یعنی وہ اس میں داخل ہوں گے۔ ابن عاصم اور ابوبکر نے یاء کے ضمہ کے ساتھ (یُصْلَوْنَ) پڑھا ہے' یعنی انہیں جہنم میں داخل کیا جائے گا اور انہیں جلایا جائے گا۔ سَعِیْر فعیل کا وزن ہے جو مفعول کے معنی میں ہے۔ یہ سعرت النار سے مشتق ہے' یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اسے (آگ کو) روشن کردے۔ (۱۶)

ورثاء کا تعین اللہ کی طرف سے ہے

سَیَصْلَوْنَ : صلی مصدر کے معنی ہے: گوشت کو بھوننا' ہاتھ کو آگ سے تاپنا۔ اِصْلاء اور تَصْلِیَۃ کا معنی ہے جلانا' بھسم کر ڈالنا۔ سَعِیْرًا : مشتعل آگ یا بھڑکتی ہوئی آگ۔

اسی طرح ترکہ (وراثت) کے حوالے سے سورۃ النساء ہی میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾﴾

''اور ماں باپ اور قرابت دار جو ترکہ (وراثت) چھوڑیں' اس کے وارث (ہر شخص کے لیے) ہم

rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے مقرر کر دیے ہیں اور جن سے تمہارا معاہدہ ہوا ہو' ان کو ان کا حصہ دے دو' بے شک ہر چیز اللہ کے روبرو ہے۔''

یہاں 'کُل' کا مضاف الیہ محذوف ہے اور جار مجرور مابعد کے متعلق ہے۔ یعنی ہم نے ہر مال اور میت کے وارث بنا دیے ہیں' جو مال کی حفاظت کرتے اور میت کے وارث بنتے ہیں۔ ''مما ترك'' جار مجرور ظرف مستقر ہے' یعنی محذوف شبہ فعل کے متعلق ہے اور پھر مال کی صفت ہے۔

'اَلْوَالِدَان وَالْاَقْرَبُوْنَ' یہ ترک فعل کا فاعل ہے۔

یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ 'لِكُلٍّ' خبر ہو اور ''جَعَلْنَا مَوَالِيَ' صفت ہو۔ صفت میں ضمیر عائد محذوف ہے' اور اللہ تعالیٰ کا فرمان 'مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ' یہ مبتدا محذوف کی صفت ہو۔ گویا تقدیر کلام یوں ہو گی: لِكُلِّ جَمَاعَةٍ مِّنْ وَرَثَةٍ جَعَلْنَا

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ ، یہاں اَلَّذِيْنَ کا عطف 'الولدان والاقربون' پر ہے۔

فَاٰتُوْهُم نَصِيْبَهُمْ ' یہ سابقہ جملہ کا بیان ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول مبتدا ہو' جو اپنے ضمن میں شرط کا معنی لیے ہوئے ہے اور 'فاٰتوهم' اس کی خبر ہو۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اسم موصول فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہو' جس کا مابعد اس کی تفسیر بیان کر رہا ہے' جیسے اس مثال میں ہے: زَيْدًا فَاضْرِبْهُ وغیرہ۔ اَقْرَبُوْنَ پر وقف کا رسول اللہ ﷺ سے منقول نہ ہونے کی وجہ سے کوئی اعتبار نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مولیٰ اعلیٰ (جس کی پناہ لی گئی اور جس کے ساتھ معاہدہ کیا گیا ہو) تمام ترکہ یا جو باقی بچے' اس کا وارث ہوتا' جبکہ مولیٰ اسفل (جو باہر سے آ کر کسی سے معاہدہ کرے اور اس کی پناہ لے) وارث نہیں ہوتا۔ یہ صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب میاں بیوی کو ان کا حصہ دے دیا جائے اور میت کا نہ کوئی عصبہ' نسبی صاحب فرض اور نہ ہی کوئی ذی رحم محرم ہوتا ہے' ان سب میں سے کوئی ایک بھی پایا جائے تو بالاجماع مولیٰ کی کوئی میراث نہیں ہوتی۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم دورِ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں تھا اور حلیف کا چھٹا حصہ تھا۔ پھر یہ حکم سورۃ الاحزاب کی درج ذیل آیت سے منسوخ ہو گیا:

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ﴾ (آیت ۶)

''اور رشتہ دار کتاب اللہ کی رو سے بہ نسبت دوسرے مومنوں اور مہاجروں کے آپس میں زیادہ حق دار ہیں' (ہاں) مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہو۔''

جمہور کے نزدیک موالات کی صورت میں مولیٰ کسی چیز کا وارث نہیں ہو گا' بلکہ کوئی بھی وارث نہ ہونے کی صورت میں ترکہ بیت المال میں جائے گا۔ آیت کا آخری حصہ اس امر میں صریح ہے کہ موالی کے حق میں وصیت ضروری ہے اور اس کے بغیر ان کے لیے کچھ بھی نہیں بنتا۔

آخر میں ورثاء کا حصہ روکنے پر تنبیہہ کی جا رہی ہے۔ (۱۷)

rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے عصبہ بنا دیے ہیں جو اس مال کے وارث ہوں گے جسے ان کے ماں باپ اور قرابت دار مرتے ہوئے چھوڑ جائیں۔ اور باہمی تعلقات کی بنا پر جو تمہارے منہ بولے بھائی ہیں، انہیں ان کی میراث کا حصہ دو، جیسے کہ قسموں کے ساتھ تمہارے درمیان عہد و پیمان ہو چکا تھا، لیکن بعد میں حکم آیا کہ باہمی عہد و پیمان کو تو ضرور نبھایا جائے، لیکن میراث اب انہیں نہیں مل سکتی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہیں، اور بعد کے جملے سے مراد یہ ہے کہ مہاجرین کی جب مدینہ آمد ہوئی تو مواخات کے بعد یہ دستور بنا کہ ہر مہاجر اپنے انصاری بھائی کا وارث ہوتا، اس (انصاری) کے ذو رحم رشتہ دار وارث نہ ہوتے۔ اس آیت نے اس طریقے کو منسوخ قرار دیا اور حکم ہوا کہ ان کی مدد کرو، فائدہ پہنچاؤ اور ان کی خیر خواہی کرو، لیکن اب میراث انہیں نہیں ملے گی، ہاں اگر ضرورت ہے تو پھر ان کے لیے وصیت کر جاؤ۔ قبل از اسلام یہ دستور بھی تھا کہ دو شخصوں میں عہد و پیمان ہو جاتا کہ میں تیرا وارث اور تو میرا وارث ہوگا۔ اسی طرز پر قبائل عرب بھی باہمی معاہدہ کر لیتے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا کہ جاہلیت کی قسمیں اور عہد و پیمان کو اسلام مضبوط کرتا ہے، لیکن اب اسلام میں قسمیں اور اس قسم کے عہد و پیمان کو اس آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔ ایک اور فرمانِ نبویؐ ہے کہ ذی رحم رشتہ دار کتاب اللہ کے حکم سے زیادہ اولیٰ ہیں، بہ نسبت معاہدہ کرنے والوں کے۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور مشہور قول کی بنا پر امام احمدؒ اور جمہور کا یہی موقف ہے کہ ہر شخص کے وارث اس کے قریبی اعزہ ہیں، اور (دوسرا) کوئی نہیں۔ صحیحین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حصہ دار وارثوں کو ان کے حصوں کے مطابق دے کر پھر جو بچ رہے، وہ عصبہ کو ملے، اور وارث وہ ہیں جن کا ذکر فرائض (میراث) کی دو آیتوں میں ہے، اور جن سے تم نے مضبوط عہد و پیمان اور قسم لی ہے، یعنی اس (مذکورہ بالا) آیت کے نازل ہونے سے پہلے، انہیں ان کا حصہ میراث دو، اور اس کے بعد جو معاہدہ ہوا، اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا (یعنی میراث نہیں ملے گی) اور بقول حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ان (حلیفوں) کا حصہ، نصرت، امداد، خیر خواہی اور وصیت ہے، میراث نہیں۔ آپؓ کے ارشاد کے مطابق لوگ باہمی عہد و پیمان کر لیا کرتے تھے کہ ان میں سے جو پہلے مرے گا، دوسرا اس کا وارث بنے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ﴾ والی آیت نازل فرما کر حکم دیا کہ ذی رحم محرم ایک سے ایک اولیٰ ہیں، ہاں اپنے حلیفوں اور دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، یعنی اگر ان کے لیے ثُلث (یا کم) مال میں وصیت کر جاؤ تو جائز ہے، یہی مشہور و معروف ہے۔ ابن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں اتری جو اپنے بیٹوں کے سوا دوسروں (اوروں) کو اپنا (منہ بولا) بیٹا بناتے تھے اور انہیں اپنی جائیداد کا جائز وارث قرار دیتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ وصیت میں سے دینے کو فرمایا، اور میراث کو ذی رحم محرم رشتہ داروں اور عصبہ کی طرف لوٹا دیا اور اسے ناپسند فرمایا کہ اپنے بنائے ہوئے (منہ بولے) بیٹوں کو وراثت دی جائے۔ ابن جریرؒ کا کہنا ہے کہ میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ انہیں حصہ دو یعنی نصرت، نصیحت اور معونت کا، یہ نہیں کہ انہیں ان کے ورثہ

rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا حصہ دو۔ یہ معنیٰ کرنے سے آیت کو منسوخ بتانے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی' نہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ حکم پہلے تھا' اب نہیں رہا۔ بلکہ آیت کی دلالت صرف اس امر پر ہے کہ جو عہد و پیمان آپس کی امداد و اعانت' خیر خواہی اور بھلائی کے ہوتے ہیں' انہیں پورا کرو۔ (۱۸)

موالی' مولیٰ کی جمع ہے' مولیٰ کے معانی دوست' آزاد کردہ غلام' چچازاد' پڑوسی (اور وارث) وغیرہ کے ہیں' لیکن یہاں اس سے مراد ورثاء ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مرد' عورت جو کچھ چھوڑ جائیں گے' اس کے وارث اور ماں باپ اور دیگر قریبی رشتہ دار ہوں گے۔ اس آیت کے محکم یا منسوخ ہونے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن جریر طبری وغیرہ اسے غیر منسوخ (محکم) مانتے ہیں اور 'اَیْمَانُکُم' سے مراد وہ حلف اور معاہدہ لیتے ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کے لیے اسلام سے قبل دو اشخاص یا دو قبیلوں کے درمیان ہوا اور اسلام کے بعد بھی وہ جاری رہے۔ 'نصیبھم' (حصہ) سے مراد اسی حلف اور معاہدے کی پابندی کے مطابق تعاون و تناصر کا حصہ ہے۔ ابن کثیرؒ اور دیگر کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے' کیونکہ ''اَیْمَانُکُم' سے ان کے نزدیک وہ معاہدہ ہے جو ہجرت کے بعد ایک انصاری اور مہاجر کے درمیان اخوت کی صورت میں ہوا تھا۔ اس میں رشتہ داروں کی بجائے ایک مہاجر' انصاری کا وارث ہوتا تھا۔ چونکہ یہ ایک عارضی انتظام تھا' اس لیے پھر سورۃ الاحزاب کی ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ﴾ والی آیت نے اسے منسوخ کر دیا گیا۔ اب ﴿فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ﴾ سے مراد دوستی اور محبت' ایک دوسرے کی مدد اور بطور وصیت کچھ دے دینا بھی ہے۔ موالاتِ عقد' موالاتِ حلف یا موالاتِ اخوت میں اب وراثت کا تصور نہیں ہوگا۔ اہل علم کے ایک گروہ نے اس سے مراد ایسے دو شخصوں کو لیا جن میں سے کم از کم ایک لاوارث ہے' وہ ایک دوسرے شخص سے یہ طے کرتا ہے کہ میں تمہارا مولیٰ ہوں' اگر کوئی جنایت کروں تو میری مدد کرنا اور اگر مارا جاؤں تو میری دیت لے لینا۔ اس لاوارث کی وفات کے بعد اس کا مال مذکورہ شخص لے گا' بشرطیکہ واقعتاً اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ بعض دوسرے علماء نے ایک اور معنیٰ اس آیت کا بیان کیا ہے' ان کے نزدیک ﴿وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ﴾ سے مراد بیوی اور شوہر ہیں اور اس کا عطف 'الاقربون' پر ہے' یعنی کہ ماں باپ نے' قرابت داروں نے اور جن کو تمہارا عہد و پیمان آپس میں باندھ چکا ہے (یعنی شوہر یا بیوی) انہوں نے جو کچھ چھوڑا' اس کے حق دار یعنی حصہ دار ہم نے مقرر کر دیے ہیں' لہٰذا (مذکورہ بالا) ان حق داروں کو ان کے حصے دو (اس تفسیر سے آیت کو منسوخ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی ہے۔) گویا سورۃ النساء کی شروع کی آیات میراث میں تفصیلاً جو حصے بیان کیے گئے تھے' یہاں اجمالاً ان کی ادائیگی کی تاکید مزید کی گئی ہے۔ (۱۹)

مولیٰ کی جمع موالی ہے اور اس کے معانی میں آزاد کنندہ' آزاد شدہ غلام' حلیف' ابن عم' عصبہ اور وارث شامل ہیں' ہر معنیٰ عبارت کے ربط اور سیاق و سباق سے متعین ہوتا ہے۔ اس آیت میں موالی سے مراد وارث ہیں' یعنی ایسے لوگ جنہیں ترکہ (وراثت) پر غلبہ و استیلاء کا حق پہنچتا ہے' گویا یہاں اس لفظ ولایت سے مراد قرابت اور استحقاقِ وراثت کا قرب مراد ہے۔ مِمَّا تَرَكَ' یعنی وہ مال متروک کے وارث ٹھہرائے گئے ہیں۔ ﴿وَالَّذِیْنَ

rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ یہاں اس سے مراد ازواج (جوڑے، خاوند اور بیوی دونوں) ہیں، کیونکہ عقد نکاح کے باعث دونوں کو باہم حق وراثت پہنچتا ہے اور عموماً اس عقد کے بغیر وہ باہم وارث نہیں بنتے۔ اَيْمَانُكُمْ کا لفظ اس لیے استعمال ہوا کہ عقد (بیع وشراء، باہمی عہد وغیرہ) میں متعارف یہ ہے کہ بات پختہ ہونے پر باہم دائیں ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں۔

پس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ جس طرح ہم نے مردوں اور عورتوں کے لیے کام کے دائرے، کسب کار کے حلقے اور فطری مواہب مقرر کر دیے ہیں، جس میں انہیں ایک دوسرے پر حسد وبغض بالکل منع ہے، اسی طرح ہم نے ان کے وراثت میں بھی اپنے اپنے حصے مقرر کر دیے ہیں، تاکہ توازنِ معاشرت قائم رہے اور جس طرح ہر مرد و عورت دوسروں کے وارث ہوئے ہیں، اسی طرح درج ذیل دوسرے وارث بھی ان کی وراثت حاصل کرتے ہیں: (ا) والدین (ب) قرابت دار (ج) زوجین (میاں بیوی) ان میں سے ہر ایک کو ان کا مقرر شدہ حصہ دے دو۔ اللہ تعالیٰ ترکہ (وراثت) اور دوسرے مالی معاملات میں تمہارے تصرفات کو دیکھ رہا ہے، پس ایک دوسرے کا مال کھانے سے مکمل پرہیز کرو اور اس کی جواب دہی پر اللہ سے ڈرو اور ہر ایک کا مقرر کردہ حصہ اسے لازماً ادا کرو۔ ایک دوسری تفسیر کے مطابق ﴿الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اصطلاح میں موالی الموالات کہلاتے ہیں۔ قدیم عرب میں دستور تھا کہ دو شخص باہم قول وقرار کر کے ایک دوسرے کے اس طرح سے دوست اور مددگار ہو جاتے کہ اگر ایک پر دیت لازم آئے تو دوسرا اسے ادا کرے اور اگر ایک کی وفات ہو تو وہ دوسرا اس کی میراث پائے۔ اسی باہمی عہد کو عقد موالات کہتے ہیں۔ ابتدائے شریعت میں تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ اس دستور کو قائم رکھا گیا۔ انصار و مہاجرین میں باہمی مواخات قائم کر کے باہمی میراث بھی جاری ہو گئی، بعد میں اس عہد والے کا حصہ ۱/۶ متعین ہوا۔ آخر جب سورۃ الاحزاب کی آیت ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾ نازل ہوئی تو سب ورثاء کے حصے مقرر ہو گئے اور دوسروں کے لیے کوئی گنجائش نہ رہی (جس کا کوئی شرعی وارث نہ ہو، علم میراث میں بیان کردہ شرائط اور تفصیل کے مطابق اب بھی مولی الموالات اس کا وارث بن سکتا ہے)۔ (۲۰)

چند اہم مسائل میراث

وراثت کے درج ذیل تین ارکان ہیں: (ا) مورث، وہ شخص جو کہ ترکہ چھوڑ کر انتقال کر گیا ہو۔ (ب) وارث، وہ افراد جو شرعی لحاظ سے مرنے والے کے ترکہ میں حصہ دار ہیں۔ (ج) ترکہ، کسی شخص کی وفات کے بعد اس کی تمام (منقولہ وغیر منقولہ) جائیداد اور مال و دولت جو شرعی طور پر اس کی ملکیت ہو۔ چند اہم احکامِ وراثت درج ذیل ہیں:

(۱) میت کے بدن کے کپڑے بھی ترکہ میں شامل ہوتے ہیں، لہٰذا ان کو حساب میں لگائے بغیر یونہی صدقہ کر دیا

rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے۔ بعض علاقوں میں تانبے، پیتل کے برتن میراث تقسیم کیے بغیر فقیروں کو دے دیتے ہیں، حالانکہ ان سب میں نابالغوں اور غیر حاضر وارثوں کا بھی حق ہوتا ہے۔ شرعی طریقہ کار کے مطابق پہلے ورثاء میں میراث تقسیم کر لیں اور ان کو اپنے اپنے حصے دے دیں، اس کے بعد اپنی خوشی سے جو وارث چاہے، مرنے والے کی طرف سے صدقہ و خیرات کرے یا مل کر صدقہ کرنا ہو تو صرف بالغین کریں، نابالغ کی اجازت کا اعتبار نہیں، اور جو وارث غیر حاضر ہو اس کے حصے میں سے اس کی اجازت کے بغیر تصرف درست نہیں ہے۔

(۲) میت کو قبرستان لے جاتے ہوئے جو چادر جنازے کے اوپر ڈالی جاتی ہے، وہ کفن میں شامل نہیں ہے۔ اس کو میت کے مال سے خریدنا جائز نہیں، کیونکہ وہ مال مشترک ہے، اس پر کوئی شخص اپنی طرف سے خرچ کر دے تو جائز ہے۔ بعض علاقوں میں نماز جنازہ پڑھانے والے کے لیے کفن کے کپڑے سے ہی مصلیٰ تیار کیا جاتا ہے اور پھر اسے امام کو دے دیا جاتا ہے۔ یہ خرچ بھی کفن کی ضرورت سے بڑھ کر ہے، اس لیے ورثہ کے مشترک مال سے اس کا خریدنا جائز نہیں۔

(۳) بعض جگہ میت کے غسل کے لیے نئے برتن خریدے جاتے ہیں اور پھر ان کو توڑ دیا جاتا ہے۔ اول تو نئے خریدنے کی ضرورت نہیں، گھر کے برتنوں سے غسل دیا سکتا ہے اور اگر خریدنے کی ضرورت پڑ ہی جائے تو پھر توڑنا جائز نہیں۔ ایک تو اس میں مال کا ضائع کرنا ہے اور دوسرے ان سے یتیموں اور غائب وارثوں کا حق وابستہ ہے۔

(۴) ترکہ کی تقسیم سے پہلے اس میں سے مہمانوں کی خاطر تواضع اور صدقہ و خیرات کچھ جائز نہیں، اس طرح کے صدقہ و خیرات سے متوفی کو کوئی ثواب نہیں پہنچتا، بلکہ ثواب سمجھ کر دینا اور بھی زیادہ سخت گناہ ہے۔ مورث کی وفات کے بعد اب یہ سب مال تمام وارثوں کا حق ہے اور ان میں یتیم بھی ہوتے ہیں، لہٰذا اس مشترک مال سے دینا ایسے ہی ہے جیسے کہ کسی کا مال چرا کر میت کے حق میں صدقہ کر دیا جائے۔ طریقہ یہ ہے کہ پہلے تمام ترکہ ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے، اس کے بعد وہ اپنے مال میں سے اپنی مرضی سے مرنے والے کے حق میں صدقہ و خیرات کریں، تو اس کا ان کو اختیار ہے۔

(۵) تقسیم میراث سے پہلے ورثاء سے اجازت لے کر بھی مشترکہ میراث سے خرچ نہ کیا جائے، اس لیے کہ جو ان میں یتیم ہیں، ان کی اجازت تو معتبر ہی نہیں، اور جو بالغ ہیں وہ بھی ضروری نہیں کہ خوش دلی سے اجازت دیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لحاظ یا شرم کی وجہ سے اجازت دینے پر مجبور ہوں اور لوگوں کے طعنوں سے ڈر کر بادلِ نخواستہ ہامی بھر لیں۔ شریعت میں تو صرف وہی مال حلال ہے جو کہ دینے والا طیب خاطر سے دے رہا ہو۔

یہاں ایک بزرگ کا واقعہ پیش خدمت ہے، جس سے مسئلہ اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔ یہ بزرگ ایک مسلمان بھائی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر مریض کے پاس بیٹھے تھے کہ اس کا وقت آخر آ گیا۔ اس موقع پر جو چراغ جل رہا تھا، وہ انہوں نے فوراً بجھا دیا، اپنے پاس سے پیسے دے کر تیل منگوایا اور

rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روشنی کی۔ لوگوں نے ان بزرگ سے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب تک یہ شخص زندہ تھا' چراغ اس کی ملکیت میں تھا اور اس کی روشنی استعمال کرنا درست تھا۔ اب یہ دنیا سے رخصت ہو گیا تو اس کی ہر چیز وارثوں کی ملکیت میں آ گئی' اب سب وارثوں کی اجازت سے ہی یہ چراغ استعمال ہو سکتا ہے اور وہ سب یہاں موجود نہیں ہیں' اس لیے اپنے پیسوں سے تیل منگوا کر روشنی کی۔

(۶) میراث کی تقسیم نسبی قرابت اور 'الاقرب فالاقرب' کے اصول پر رکھی گئی ہے' لیکن اس میں بعض چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ مورث اور وارث ایک ہی دین والے ہونے چاہئیں' دو مختلف دین والے نہ ہوں۔ مسلمان کسی کافر اور کافر کسی مسلمان کا وارث نہ ہو گا' خواہ ان میں باہمی نسبی رشتہ ہی کیوں نہ ہو۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ)) (۲۱)

''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔''

یہ حکم اس صورت سے متعلق ہے جبکہ پیدائش کے بعد سے ہی کوئی شخص مسلمان یا کافر ہو' لیکن اگر کوئی شخص پہلے مسلمان تھا' پھر العیاذ باللہ مرتد ہو گیا' تو ایسا شخص اگر مر جائے یا مقتول ہو جائے تو اس کا وہ مال جو حالت اسلام میں کمایا گیا تھا' اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گا' اور جو ارتداد کے بعد حاصل ہوا ہو' وہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر عورت مرتد ہو گئی ہو تو اس کا کل مال خواہ حالت اسلام میں حاصل ہوا یا حالت ارتداد میں' اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گا۔ لیکن خود مرتد' خواہ مرد ہو یا عورت' اس کو نہ کسی مسلمان سے میراث ملے گی اور نہ کسی مرتد سے۔

(۷) اگر کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو قتل کر دے جس کے مال سے اس کو میراث پہنچتی ہو تو یہ قاتل اس آدمی کی میراث سے محروم رہے گا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((اَلْقَاتِلُ لَا یَرِثُ)) (۲۲) ''قاتل وارث نہیں ہو گا''۔ البتہ قتل خطا کی بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۸) اگر کسی شخص نے مرتے وقت اپنی کچھ اولاد چھوڑی اور بیوی کے پیٹ میں بھی بچہ ہے' تو یہ بچہ بھی ورثاء کی فہرست میں داخل ہو گا۔ اس صورت میں اگر حقیقت حال جاننے میں دشواری ہو کہ لڑکا ہے یا لڑکی یا ایک سے زیادہ بچے ہیں' تو پھر بچے کی پیدائش تک تقسیم میراث ملتوی رکھنا مناسب ہو گا۔ اور اگر تقسیم میراث زیادہ ہی ضروری ہو تو سردست ایک لڑکا یا ایک لڑکی فرض کر کے دونوں کے اعتبار سے دو صورتیں فرض کی جائیں' ان دونوں صورتوں میں سے جس میں ورثاء کو کم مال ملتا ہو' وہ ان میں تقسیم کر دیا جائے اور باقی وضع حمل تک کے لیے رکھا جائے۔

(۹) جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی' پھر رجوع کرنے اور عدت ختم ہونے سے پہلے فوت ہو گیا' تو یہ عورت میراث میں حصہ پائے گی' کیونکہ نکاح باقی ہے۔ کسی شخص نے مرض الوفات میں اپنی بیوی کو طلاقِ بائن یا مغلظہ دی اور عدت ختم ہونے سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا' تب بھی وہ عورت اس شخص کی وارث ہو گی۔ عورت کو وارث بنانے کی وجہ سے دونوں عدتوں میں سے جو زیادہ دراز ہو' اسی کو اختیار کیا جائے گا۔ دو عدتوں کی مختصر تشریح

rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہے کہ عدتِ طلاق تین حیض ہے اور عدتِ وفات چار مہینے دس دن۔ ان دونوں عدتوں میں سے جو عدت زیادہ دن کی ہو‘ اسی کو اس عورت کی عدت قرار دیا جائے گا‘ تاکہ ممکنہ حد تک اس کو حصہ مل سکے۔ لیکن جس شخص نے مرض الوفات سے پہلے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا مغلظہ دی اور اس کے کچھ دن بعد عورت کی عدت کے دوران اس کی وفات ہو گئی‘ تو اس صورت میں عورت کو میراث میں سے حصہ نہیں ملے گا‘ البتہ اگر طلاق رجعی دی گئی ہو تو عورت وارث ہو گی۔ اگر کسی عورت نے شوہر کے مرض الوفات میں خود اس سے خلع حاصل کر لیا‘ تو وہ اس کی وارث نہیں ہو گی‘ اگرچہ اس کی عدت کے دوران شوہر انتقال کر جائے۔

(۱۰) شریعت اسلامی میں کسی وارث کو کسی بھی وجہ سے جائیداد سے عاق کرنے کا کوئی تصور نہیں‘ نہ ہی ان مروّجہ عاق ناموں کی کوئی حیثیت ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ فَرَّ مِنْ مِيْرَاثِ وَارِثِهٖ قَطَعَ اللّٰهُ مِيْرَاثَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۲۳)

’’جو شخص اپنے وارث کو ترکہ (وراثت) دلانے سے بھاگے‘ تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے جنت کی میراث نہ دے گا۔‘‘

البتہ اگر واقعتاً کوئی بہت ہی تکلیف دہ اور حساس معاملہ ہو تو اس کا شرعی حل یہ ہے کہ اپنی زندگی میں ہی مال وجائیداد کو دیگر ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے‘ تاکہ نہ میراث بچے اور نہ ہی اسے تقسیم کرنے کا سوال پیدا ہو‘ البتہ اُخروی جواب دہی کو مدنظر رکھا جائے۔

(۱۱) سورۃ النساء کی آیت گیارہ کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪﴾

’’تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے‘ تم نہیں جانتے کہ ان میں سے تمہیں نفع پہنچانے میں کون زیادہ قریب ہے (زیادہ نفع پہنچانے والا ہے)۔ یہ حصے مقرر ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ (تمہاری مصلحتوں کو) جاننے والا‘ حکمت والا ہے۔‘‘

مفہوم یہ ہے کہ تم نہیں جانتے کہ اصول وفروع میں سے تمہارے لیے زیادہ فائدہ مند کون ہے‘ اس لیے وراثت کے حصے اللہ تعالیٰ نے ہی مقرر کیے ہیں اور وہی اس کی حکمتیں جانتا ہے۔ اگر بندوں کی رائے پر تقسیم ہوتی تو لوگ نفع رساں ہونے کو مدارِ تقسیم بناتے۔ لیکن اس کا یقینی علم بندوں کے لیے مشکل ہے کہ حقیقی نفع رساں ان کے لیے کون ہے‘ اس لیے اقربیت کو مدارِ تقسیم بنایا گیا ہے۔

قرآن پاک کی اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ میراث کے جو حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں‘ وہ طے شدہ حکم ربی ہے‘ اس میں کسی دوسرے کو اپنی رائے دینے یا ان میں کمی بیشی کرنے کا قطعاً کوئی حق نہیں پہنچتا‘ پوری شرح صدر کے ساتھ اسے تسلیم کرنا چاہیے۔ اس تناظر میں یہ حدیث ماقبل گزر چکی ہے: ’’جو شخص اپنے وارث کا حصہ کاٹے‘ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا حصہ جنت سے کاٹیں گے‘‘۔ (سنن ابن ماجہ)

rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے لیے تقسیم میراث کا حکم بہترین حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے‘ اس لیے کہ اس کا کوئی حکم حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ انسان اپنے نفع اور نقصان کی حقیقی پہچان حاصل نہیں کر پاتا‘ اس لیے تقسیم میراث کا مسئلہ اگر اس کی رائے پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ اپنی کم فہمی کی وجہ سے صحیح اور عادلانہ فیصلہ نہ کر پاتا اور یوں میراث کے حصوں میں بے اعتدالی اور بے انصافی ہو جاتی۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کی بھلائی کرتے ہوئے یہ فریضہ اپنے ذمہ لیا‘ تاکہ مال و جائیداد کی تقسیم میں عدل و انصاف کی پوری پوری رعایت ہو اور متوفی کا ترکہ عادلانہ طور پر اس کے ورثاء کے درمیان گردش کرے۔ اس بات پر انسان کو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے‘ نہ کہ وہ وراثت کے حصوں اور اس کی تقسیم میں مین میخ نکال کر اور اعتراض کر کے گناہگار ہو۔

(۱۲) سورۃ النساء کے دوسرے رکوع میں ورثاء کے حصوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿١٢﴾﴾

’’جبکہ وصیت جو کی گئی ہو‘ (وہ) پوری کر دی جائے اور قرض جو میت نے چھوڑا ہو‘ ادا کر دیا جائے‘ بشرطیکہ وہ ضرر رساں نہ ہوں‘ یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے‘ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا‘ بردبار ہے۔‘‘

یہاں وراثت کی تقسیم سے قبل وصیت پوری کرنا اور پھر قرض ادا کرنے کا حکم ہے‘ لیکن ضابطہ شرعی میں قرض کا ادا کرنا‘ نفاذِ وصیت سے مقدم ہے۔ اگر تمام مال قرض کی ادائیگی میں خرچ ہو جائے‘ تو نہ وصیت نافذ ہو گی اور نہ ہی میراث کا سلسلہ چلے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ’’آپ حضرات یہ آیت تلاوت کرتے ہیں: ﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ﴾ اس میں اگرچہ لفظ وصیت مقدم ہے‘ لیکن عملی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دَین (قرض) کے بعد رکھا ہے‘‘ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)۔

اب یہ نکتہ کہ اگر عملاً وصیت مؤخر ہے تو لفظاً اس کو دَین (قرض) سے پہلے کیوں بیان کیا گیا‘ اس بارے میں صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں:

’’آیت میں دَین (قرض) پر وصیت کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ میراث کی طرح بغیر کسی عوض کے ملتی ہے اور اس میں رشتہ دار ہونا بھی ضروری نہیں‘ اس لیے وارثین کی جانب سے اس کو نافذ کرنے میں کوتاہی ہونے یا دیر ہو جانے کا قوی اندیشہ تھا‘ اپنے مورث کا مال کسی کے پاس جاتا دیکھنا ان کو ناگوار ہو سکتا تھا‘ اس لیے شان وصیت کا اہتمام فرماتے ہوئے دَین پر اس کو مقدم رکھا گیا۔ پھر یہ بھی بات ہے کہ قرض کا ہر میت پر ہونا ضروری نہیں‘ اور اگر زندگی میں رہا ہو تو موت تک باقی رہنا ضروری نہیں‘ اور اگر موت کے وقت (قرض) باقی بھی ہو‘ تو چونکہ اس کا مطالبہ حق دار کی طرف سے ہوتا ہے‘ اس لیے ورثاء بھی انکار نہیں کر سکتے‘ اس وجہ سے اس میں کوتاہی کا احتمال بہت کم ہے‘ بخلاف وصیت کے کہ جب مرنے والا مال چھوڑتا ہے‘ تو اس کا یہ بھی دل چاہتا ہے کہ صدقہ جاریہ کے طور پر اپنے مال کا حصہ کسی کارِ خیر میں صرف کر جائے‘ (اب) چونکہ اس مال کا کسی طرف سے مطالبہ نہیں ہوتا‘ اس لیے وارثوں کی طرف سے کوتاہی کا امکان تھا‘ جس کا سدباب کرنے کے لیے ہر جگہ بطور خاص وصیت کو مقدم رکھا گیا۔‘‘ (۲۴)

rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں ’غَیْرَ مُضَآرٍّ‘ کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کے لیے وصیت یا دَین (قرض) کے ذریعے وارثوں کو نقصان پہنچانا جائز نہیں۔ وصیت کرنے کی یا اپنے اوپر قرض کا فرضی اقرار کرنے میں وارثوں کو محروم کرنے کا ارادہ ہونا اور اس ارادے پر عمل کرنا سخت ممنوع اور گناہ کبیرہ ہے۔

قرض یا وصیت کے ذریعے نقصان پہنچانے کی کئی صورتیں ممکن ہیں، مثلاً یہ کہ قرض کا جھوٹا اقرار کرلے، کسی دوست کو مال دلانے کے لیے یا اپنے مخصوص مال کو جو اس کا ذاتی ہے، یہ ظاہر کردے کہ فلاں شخص کی امانت ہے، تاکہ اس (مال) میں میراث نہ چلے، یا ایک تہائی مال سے زائد کی وصیت کرے، یا کسی شخص پر اس کا قرض ہو اور وہ وصول نہ ہوا ہو، لیکن جھوٹ اور غلط بیانی سے یہ کہہ دے کہ اس سے قرض وصول ہوگیا، تاکہ (وہ مال) وارثوں کو نہ مل سکے، یا مرض الوفات میں اپنے مال وجائیداد کے ایک تہائی سے زیادہ کسی کو ہبہ کردے (تحفے میں دے دے)، وغیرہ۔ یہ تمام صورتیں ضرر پہنچانے کی ہیں، ہر دنیا سے جانے والے مورث کو زندگی کے آخری لمحات میں اس طرح کے اقرار سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے، اور اُخروی محاسبے کی فکر ہونی چاہیے۔

یہ بات ذہن نشین کرنی ضروری ہے کہ جس شخص کے ذمے دوسرے لوگوں کے حقوق واجب ہوں یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو، اس پر ان تمام چیزوں کی ادائیگی کے لیے وصیت کرنا واجب ہے۔ حضور پاک ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ جس شخص کے ذمے کچھ لوگوں کے حقوق ہوں، اس پر تین راتیں ایسی نہ گزرنی چاہئیں کہ اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے پاس موجود نہ ہو۔

میراث کے حصے بیان کرنے کے بعد ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ ’’یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے‘‘۔ یعنی جس جس کے اور جتنے حصے مقرر کیے گئے، اور قرض اور وصیت کے بارے میں جو تاکید کی گئی، اس سب پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔ یہ اللہ پاک کی طرف سے ایک عظیم نصیحت (وصیت) اور مہتم بالشان حکم ہے، اس کی تم قطعاً خلاف ورزی نہ کرنا۔ آگے مزید تنبیہ کرتے ہوئے بیان ہوتا ہے: ﴿وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور تحمل کرنے والا ہے‘‘۔ یعنی اس نے اپنے علم سے ہر ایک کا حال جانتے اور سمجھتے ہوئے (وراثت کے) حصے مقرر فرمائے ہیں۔ جو احکامِ مذکورہ پر عمل کرے گا، اللہ کے علم سے اس کی یہ نیکی باہر نہ ہوگی، اور جو اس کی خلاف ورزی کرے گا، اس کی بدکرداری بھی اللہ کے علم میں آجائے گی، جس کی پاداش میں اس سے کڑا محاسبہ اور مواخذہ کیا جائے گا۔ اس طرح جو کوئی مرنے والا دَین (قرض) یا وصیت کے ذریعے حصہ داروں کو نقصان پہنچائے گا، اللہ کو اس کا بھی علم ہے۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حلیم ہونے کی بنا پر اس دنیا میں اسے سزا نہ دے۔ اس سے خلاف ورزی کرنے والے کو اس دھوکے میں نہیں آنا چاہیے کہ میں سزا سے بچ گیا، آخرت کے مواخذے، پکڑ اور بدلے سے وہ کسی صورت بھی نہیں بچ پائے گا۔

(۱۳) ایک آدمی کی وصیت میں ضرر رسانی یہ ہے کہ ایسے طور پر وصیت کی جائے جس سے مستحق رشتہ داروں کے حقوق تلف ہوتے ہیں اور اس کی قرض میں ضرر رسانی یہ ہے کہ محض حق داروں کو محروم کرنے کے لیے خواہ مخواہ

rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے اوپر ایسے قرض کا اقرار کرے جو اس نے فی الواقع نہ لیا ہو' یا کوئی ایسی چال چلے جس سے یہ مقصود ہو کہ حقدار اپنے حصہ میراث سے محروم ہو جائیں' اس قسم کے ضرار (ضرر رسانی) کو گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے۔ ایسی وصیت باطل اور حرام بھی ہو گی' اسے نافذ نہیں کیا جائے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ وصیت میں نقصان رسانی بڑے (کبیرہ) گناہوں میں سے ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْاَةُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ سِتِّيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ))(۲۵)

''مرد ہو یا عورت ساٹھ سال تک اللہ کی عبادت کرتے ہیں' پھر جب ان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ وصیت کر کے وارثوں کو نقصان پہنچاتے ہیں' پس ان کے لیے جہنم واجب ہو جاتی ہے۔''

ایک اور موقع پر فرمانِ نبویؐ ہے' جس کا بیان ما قبل ہو چکا' کہ: ''جو شخص اپنے وارث کو میراث سے محروم کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے محروم فرما دیں گے۔''

(اس عنوان کی تیاری میں معارف القرآن از حضرت مفتی محمد شفیعؒ سے سورۃ النساء کی آیات ۷ تا ۱۲ کی تشریح اور معارف و مسائل' تفہیم القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۰ اور سورۃ النساء کی آیت ۱۲ کی تشریح' نیز مفید الوارثین از حضرت مولانا سید میاں صاحب اصغر حسینؒ طبع ادارہ اسلامیات' کراچی' جدید ایڈیشن ۱۴۳۴ھ سے مدد لی گئی ہے۔)

(مضمون کا بقیہ حصہ اور مکمل حواشی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو رویڈیو کیسٹس/سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

rasailojaraid.com